علمیات میں ایک اسلامی زاویۂ نگاہ

قرآن میں انسان کے ادراکی قویٰ کا مقام

ڈاکٹر محمد اختر سعید صدیقی

علمیات کا ایک اہم اور بنیادی سوال یہ ہے کہ انسان کے ادراکی قویٰ (Cognitive Powers) یا ذرائع علم (Sources of Knowledge) کی اصل نوعیت کیا ہے؟ اور یہ کہ ان قویٰ سے حاصل ہونے والی معلومات علمی طور پر کیا مرتبہ رکھتی ہیں؟ میں نے صرف انہی سوالات کو سامنے رکھتے ہوئے تحقیق و تفتیش کے لیے قرآن مجید سے ایک روشنی حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔

انسان کے ادراکی قویٰ کے بارے میں قرآنی تعلیمات کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے مجموعی طور پر پوری انسانی زندگی کے بارے میں قرآن کے تصورِ زندگی پر ایک سرسری نگاہ ڈال لی جائے۔ کیونکہ بہرصورت، ادراکی قویٰ کے بارے میں ہر قرآنی نقطۂ نظر لازماً قرآن کے فراہم کردہ تصورِ زندگی سے ماخوذ ہوگا، یا کم از کم اس کے منافی نہ ہوگا۔

انسانی زندگی کے بارے میں قرآن کا تصوّر

انسان اس زمین پر خدا کا نائب (خلیفہ) ہے۔ خدا نے اسے پیدا کیا۔ جاننے، سوچنے اور سمجھنے کی قوتیں دیں (سورہ السجدہ آیت ۹)۔ بھلائی اور برائی کی تمیز دی، انتخاب و ارادہ کی آزادی بخشی، تصرف کے اختیارات دیے، اور ایک طرح کی محدود خود اختیاری دے کر اسے زمین پر اپنا خلیفہ بنایا۔ (سورہ بنی اسرائیل آیت ۳۶)۔ اس زمین پر انسان کا قیام ایک محدود وقت کے لیے ہے۔ یہ وقت اس کی مدّتِ امتحان ہے، اور اس کے بعد اسے اپنے خالق کی طرف لوٹنا ہوگا، اور اس وقت اس کے، یہاں کیے گئے، اعمال کی جانچ کرکے یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ کون امتحان میں

کامیاب ہوا اور کون ناکام۔ اس دنیا میں انسان کو صحیح راستہ دکھایا گیا ہے' اور اسے یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ چاہے تو اپنی سوچنے اور سمجھنے کی قوتیں استعمال کرتے ہوئے صحیح راستہ اختیار کرکے آخری حقیقی کامیابی حاصل کرلے' جو اس دنیا میں طمانیت اور اخروی زندگی میں ابدی کامیابی کا نام ہے۔ تاہم اسے یہ اختیار بھی دیا گیا ہے کہ وہ چاہے تو برعکس رویہ اختیار کرلے' جس کے نتیجہ میں اسے دنیا میں فساد اور بے چینی کا مزا چکھنا ہوگا' اور آخرت میں اسے ابدی ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا اور اسے رنج و مصیبت کے گڑھے (جہنم) میں پھینک دیا جائے گا۔

قرآنی تصوّرِ زندگی کے مطابق نوعِ انسانی کے اوّلین افراد' جہالت اور تاریکی کی حالت میں پیدا نہیں ہوئے' بلکہ خدا نے زمین پر ان کی زندگی کا آغاز پوری روشنی میں کیا تھا۔ وہ حقیقت سے آگاہ تھے' زندگی کے بارے میں واضح تصوّر رکھتے تھے' اور ان کا طرزِ زندگی خدا کی اطاعت (یعنی اسلام) تھا۔ لیکن بعد کی صدیوں میں رفتہ رفتہ انسان صحیح زندگی سے منحرف ہو کر مختلف اقسام کے غلط رویوں کی طرف چل پڑے۔ انہوں نے غفلت سے' صحیح طریق کو گم بھی کیا' اور شرارت سے اسے مسخ بھی کرڈالا۔ انہوں نے خدا کے ساتھ زمین و آسمان کی مختلف انسانی و غیر انسانی اور خیالی و مادی ہستیوں کو خدائی میں شریک ٹھہرا لیا' اور خدا کے دیے ہوئے علمِ حقیقت میں طرح طرح کے اوہام و نظریات اور فلسفوں کی آمیزش کرکے بے شمار مذاہب بنا ڈالے۔ اور یوں تہذیب و انصاف کے اصول چھوڑ کر خواہشات اور تعصبات کے زیرِ اثر ایسے قوانین گھڑ لیے جنہوں نے دنیا کو ظلم سے بھر دیا۔ انسان کو دی گئی محدود خود اختیاری کے ساتھ یہ بات مطابقت نہ رکھتی تھی کہ خدا انسان کو زبردستی صحیح راستے پر چلنے پر مجبور کرتا۔ خدا نے انسان کی محدود خود اختیاری باقی رکھتے ہوئے' انسان کی مزید ہدایت کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا کہ خود انسانوں ہی میں سے بعض ایسے انسانوں کو جو خدا پر ایمان رکھنے والے اور اس کی رضا کے خواہاں تھے' اپنا نمائندہ بنایا' اور اپنے پیغامات ان کے پاس بھیجے۔ ان کو علمِ حقیقت بخشا' اور سوچنے اور سمجھنے کی قوتوں کو استعمال کرنے کے لیے صحیح زاویۂ نگاہ سے آگاہ کیا' اور ساتھ ہی اس کام پر مامور کیا کہ وہ بنی آدم کو اس راہِ راست پر چلنے کی دعوت دیں جس سے وہ ہٹ گئے تھے۔ انبیاء کی آمد کا یہ سلسلہ چلتا رہا حتیٰ کہ آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا' جن کی زندگی اپنی مکمل تفصیلات کے ساتھ اور جن کی ہدایت اپنی تمام جزئیات کے ساتھ' انسان کے پاس بلاکم وکاست محفوظ ہے۔

انسان کے ذرائع علم یا طرقِ علم

قرآنِ مجید کے درج بالا پیش کردہ تصوّرِ زندگی کا لازمی جزیہ تصوّر ہے کہ انسان کو اس کرۂ ارض پر اپنی مدتِ خلافت کے دوران جاننے' سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیتیں عطا کی گئی ہیں۔ لہٰذا منطقی طور پر اسلامی نقطۂ نگاہ کے مطابق علم کی ماہیت و حقیقت' اور تصوّر و ذرائع کے بارے میں مباحث (discussion) کی گنجائش نکل آتی ہے۔ انسان کے اندر جاننے' سوچنے اور سمجھنے کی یہ صلاحیتیں کون سی ہیں' یا دوسرے الفاظ میں انسانی ذرائع علم یا طرقِ علم کیا ہیں؟ اس سوال کو سامنے رکھتے ہوئے جب ہم قرآن کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ قرآن میں انسانی صلاحیت کے طور پر' یا انسان کی طرف نسبت کرتے ہوئے' جن ذرائع علم یا طرقِ علم کا ذکر موجود ہے ان کے لیے انیس (۱۹) مختلف الفاظ یا ان کے مشتقات کو استعمال کیا گیا ہے۔ ان الفاظ میں سمع' بصر' فواد' ذوق' لمس' قلب' تفکر' تدبر' علم' شعور' احساس' نظر' رای' فہم' حفظ' ظن' خرص اور حکم شامل ہیں۔ یہ تمام الفاظ ان ذرائع یا طریقوں کی نشاندہی کرتے ہیں جن کو استعمال کرکے انسان خود اپنے بارے میں یا دوسری اشیاء کے بارے میں علم حاصل کرتا ہے۔ یقیناً" بعض ایسے انسانی ذرائع بھی ہو سکتے ہیں جو ان الفاظ کے دائرے سے باہر ہوں' کیونکہ قرآن کا مقصود بہرحال تمام انسانی ذرائع واقفیت کا احاطہ کرنا نہیں معلوم ہوتا' اور شاید یہ انسان کی اپنی جاننے' سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ نت نئے ذرائع واقفیت تلاش کرے۔ تاہم ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قرآن کی بعض آیات میں مذکورہ بالا تمام انسانی ذرائع علم کو یکجا کرکے اجمالاً" محض تین الفاظ میں بیان کر دیا گیا ہے۔ یہ تین الفاظ سمع' بصر اور فواد ہیں۔ مثلاً" سورہ السجدہ میں انسانی تخلیق کی ابتداء اور پھر اس کی نسل کے آغاز کا ذکر کرنے کے بعد کہا گیا ہے' ثُمَّ سَوّٰىهُ وَ نَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ (آیت ۹) "پھر خدا نے اسے نک سک سے درست کیا اور اس کے اندر اپنی روح پھونک دی اور تم کو کان' آنکھیں اور دل دیے مگر تم لوگ کم ہی شکر گزار بنتے ہو"۔ اسی قسم کا مفہوم سورہ مومنون کی آیت ۷۸ میں بھی موجود ہے۔ اس کے علاوہ قرآن کی ایک اور آیت میں انسان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ○ (اسراء : ۳۶) "کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو یقیناً" آنکھ کان اور دل سب کے بارے میں انسان سے باز پرس ہونی ہے"۔

درج بالا آیات میں سمع' بصر اور فواد کے الفاظ' جن کا ترجمہ بالعموم ہمارے مفسرین آنکھ' کان

اور دل کے الفاظ سے کرتے ہیں، اپنے مفہوم کے اعتبار سے انتہائی جامع الفاظ ہیں۔ دراصل قرآن مجید میں ان الفاظ کو اصطلاحات کے طور پر استعمال کیا گیا ہے، اور ان اصطلاحات کے دائرہ میں وہ تمام ذرائع یا طرقِ علم آجاتے ہیں جن کا ذکر قرآنِ مجید میں منتشر طور پر انیس (۱۹) مختلف الفاظ یا ان کے مشتقات کے ساتھ کیا گیا ہے۔ ہمارے نزدیک درج بالا آیات میں سمع، بصر اور فواد کی اصطلاحات محض سننے، دیکھنے اور سوچنے کی صلاحیت کے معنی میں استعمال نہیں ہوئیں، بلکہ سمع سے مراد، دوسروں کی فراہم کردہ معلومات حاصل کرنے کی صلاحیت ہے، بصر سے مراد مشاہدہ اور تجربہ کے ذریعہ علم حاصل کرنے کی صلاحیت ہے، اور فواد (دل) سے مراد ان دونوں ذرائع سے حاصل شدہ معلومات کو مرتب کر کے مزید غور و فکر اور نئے نتائج اخذ کرنے کی صلاحیت ہے۔ اوپر مذکور تمام اصطلاحات کو مفہوم کے اعتبار سے ان تین اصطلاحات میں سے کسی نہ کسی کے ذیل میں رکھا جا سکتا ہے۔

انسانی ذرائع علم کی اصل نوعیت

یہ متعین کرنے کے بعد کہ سمع، بصر اور فواد قرآنی نقطۂ نگاہ کے مطابق انسان کے اہم ذرائع علم ہیں، ہم زیرِ بحث سوال کے اس حصہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ ان ذرائع علم کی اصل نوعیت کیا ہے؟ اور ان ذرائع میں سے کون سا ذریعۂ علم آخری اور اصلی حیثیت رکھتا ہے؟ نیز اس ذریعہ سے حاصل ہونے والی معلومات اور مدرکات، علمی اعتبار سے کس مرتبہ کی حامل ہیں؟ ہمارے سوال کا یہ حصہ فلسفہ میں برطانوی اور براعظمی مکاتبِ فکر کے درمیان ایک پرانی متنازعہ بحث سے مماثلت رکھتا ہے۔ ہماری مراد بیکن (Bacon)، لاک (Lock)، برکلے (Berkeley)، ہیوم (Hume)، اور مل (Mill)، کی روایتی تجربیت (classical empiricism)، اور ڈیکارٹ (Descartes)، اسپنوزا (Spinoza) اور لیبنز (Leibniz) کی روایتی عقلیت (Classical rationalism or Intellectualism) سے ہے۔ اس بحث میں اوّل الذکر مکتبِ فکر کا موقف یہ تھا کہ انسانی ذرائع علم میں اصلی اور آخری ذریعۂ علم (Ultimate Source of Knowledge) کی حیثیت صرف مشاہدہ اور تجربہ کو حاصل ہے، جبکہ ثانی الذکر مکتب اس بات پر زور دے رہا تھا کہ اصلی اور آخری ذریعۂ علم واضح اور ممیز نظریات حامل عقلی وجدان ہے۔

قرآن کی نظر میں مشاہدہ اور عقل (یعنی بصر اور فواد) دونوں انسان کے حصولِ علم میں نمایاں

کردار ادا کرتے ہیں۔ تاہم ان دونوں ذرائع سے کسی کا بھی کردار اس کردار سے بمشکل کوئی مماثلت رکھتا ہے جسے درج بالا مکاتبِ فکر کے قدیم علمبردار، ان ذرائع کی طرف منسوب کرکے پیش کرتے رہے ہیں۔ قرآن کی نگاہ میں ان دونوں ذرائع میں کوئی بھی ایک ایسے ذریعۂ علم کی حیثیت نہیں رکھتا جسے آج تک کی تمام انسانی معلومات کا اصلی یا حتمی منبع و ماخذ قرار دیا جا سکے۔ بلکہ قرآنی نقطۂ نگاہ کے مطابق ان ذرائع میں سے کسی ایک کا حتمی اور آخری ماخذ ہونا تو درکنار، خود اس بات کی ضمانت بھی نہیں دی جا سکتی کہ یہ ذرائع علم انسان کو ہمیشہ صحیح معلومات بہم پہنچائیں گے بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ یہ وسائلِ علم اپنے طریقِ کار میں انسان کی ذاتی خواہشات تعصبات اور ماحول کے زیر اثر ہو کر انسان کی حقیقت کی طرف رہنمائی نہیں کرتے، اور صورتِ حال کی غلط تصویر پیش کرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کہیں انسان کو ظلوم اور جہول کہتا ہے، کہیں عجلت پسند اور تھڑدلا قرار دیتا ہے، کہیں کہتا ہے، **وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآءِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ** (الانعام ۱۴۰) بکثرت لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ کسی علم کے بغیر محض اپنی خواہشات کی بناء پر گمراہ کن باتیں کیے چلے جاتے ہیں۔ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر قرآن بعض انسانوں کے متعلق یہ تک کہہ دیتا ہے کہ **لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ** (الاعراف ۱۷۹) "ان کے پاس دل ہیں لیکن وہ ان سے سوچتے نہیں، ان کی آنکھیں ہیں لیکن وہ دیکھتے نہیں اور ان کے پاس کان ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں۔ یہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ اس سے بھی بدتر"۔

درج بالا آیات انسان کے وسائلِ علم کا خود اس کی خواہشات، تعصبات، ماحول اور دیگر عوامل کے زیر اثر ہو جانے کا ثبوت فراہم کرتی ہیں، اور یہیں سے یہ اعتقاد پیدا ہوتا ہے کہ کوئی انسان مکمل طور پر معصوم عن الخطا نہیں ہے۔ لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہ لیا جانا چاہیے کہ قرآن، علمیاتی قنوطیت (Epistemological Pessimism) کا علمبردار ہے۔ کیونکہ علمیاتی قنوطیت کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے ذرائع علم سے حقیقت تک رسائی کا اہل نہیں۔ یہ تصور فی الحقیقت انسان پر عدم اعتماد کا اظہار ہے، اور تاریخی طور پر انسانی محرومیت کے اعتقاد کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کو خطا اور بے راہ روی سے بچانے کے لیے سخت گیر قوانین، مضبوط روایاتی بندھن اور جبار حکم وجود میں لایا جائے۔ ماضی کے مختلف ادوار میں قوموں کی غلامی میں اس اعتقاد نے بڑا کام کیا ہے۔ لیکن قرآن کا مطالعہ کرنے والا ایک غیر جانبدار طالب علم، قرآن میں ایسے شواہد پا لے گا جو علمیاتی قنوطیت کے برعکس علمیاتی رجائیت

(Epistemological Optimism) کی طرف رہنمائی کرتے ہے۔ انسان کا معصوم عن الخطاء ہونا قرآن کے علمیاتی رجائیت کے تصوّر سے ٹکراتا نہیں' بلکہ اسے مہمیز عطا کرتا ہے' بشرطیکہ قرآن کے زاویۂ نگاہ کو سمجھ لیا جائے' قرآن کے علمیاتی رجائیت کے تصوّر کو مختصر الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ "حق اور سچائی بہت وسیع اور اپنی جگہ بیّن اور واضح ہے۔ تاہم اس پر کبھی پردہ بھی پڑ سکتا ہے۔ لیکن یہ پردے کے پیچھے سے بھی منکشف ہوتی رہتی ہے' اور اگر خود منکشف نہیں ہوتی تو ہم اپنے ذرائع علم کے دیانت دارانہ استعمال سے اسے منکشف کر سکتے ہیں۔ حقیقت پر سے پردہ اٹھانا مشکل ضرور ہوتا ہے' لیکن اس کا جب کوئی ایک حصہ بے پردہ حقیقت کی صورت میں ہمارے سامنے آتا ہے تو ہم اسے دیکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں' حق اور باطل میں تمیز کر سکتے ہیں' اور اسے پہچان سکتے ہیں کہ یہ ہی حق ہے۔

ذرا تصوّر کیجیے' اگر قرآن کو انسان کے وسائلِ علم پر اعتماد نہ ہوتا تو قرآنی تعلیمات کی حمایت میں اس استدلال کی کیا ضرورت تھی جس سے قرآن کے صفحات بھرے ہوئے ہیں' بلکہ اس سے آگے بڑھ کر قرآن انسان کو آفاق وانفس میں غور و فکر کی دعوت کیوں دیتا اور کیوں کہتا سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَفِىٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ (حٰمٓ السجدہ ۵۳)۔ "ہم انھیں آفاق وانفس میں اپنی آیات دکھائیں گے حتیٰ کہ ان پر واضح ہو جائے کہ یہ حق ہے۔"

بلاشبہ انسان کی نظر دھوکہ کھاتی ہے' فکر غلطی کرتی ہے' اس کی صلاحیت سمع بصر اور فواد ماحول' خواہشات اور تعصبات سے متاثر ہوتی ہے' اور اسی لیے انسانوں کے خالق نے' جو فَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ (ہر صاحب علم سے زیادہ علم رکھنے والی ہستی) ہے' رسالت کا سلسلہ جاری کیا۔ رسول اور خدا کی کتاب تو وہ نور ہے جس کی روشنی میں انسان کو دیکھنے سوچنے اور سمجھنے کا صحیح زاویۂ نظر ملتا ہے۔ انبیاء انسان کو ہر قدم پر انگلی پکڑ کر چلانے کے لیے نہیں آتے' وہ انسان کی فکر و نظر کو وہ صراط مستقیم دکھاتے ہیں جس سے انسان اپنا زاویۂ نگاہ درست کرتا ہے' اور پھر اس کی فکر و نظر بہت دور دیکھنے لگتی ہے اور ساتھ ہی بہت اونچی اور بہت گہری بھی ہو جاتی ہے۔ پھر الہامی کتب اور انبیاء' انسان کی صلاحیتِ علم کو مجلّیٰ اور مزکّیٰ کرتے ہیں' اور انسان کو اس کی ذاتی خواہشات' تعصبات اور ماحول کے اثرات سے پاک کرکے اپنی صلاحیتِ علم کا صحیح استعمال سکھاتے ہیں یہی' تزکیۂ نفس کی حقیقت ہے۔ اس طرح قرآن کے زیر اثر جب صحیح زاویۂ نظر کا حامل مزکّیٰ نفس اپنی سمع بصر اور فواد کی صلاحیتوں کا استعمال کرتا ہے تو غلطی کا امکان کم سے کم ہو جاتا ہے۔

قرآنِ مجید کا پیش کردہ علمیاتی رجائیت کا یہ تصوّر ہی ہے جس نے ابتدائی عہد کے مسلمانوں

کے درمیان علمی بیداری کی زبردست لہر پیدا کر دی تھی۔ چنانچہ اس وقت مسلمانوں نے سمع بصر اور فواد کی قوتوں کا بھرپور استعمال کیا۔ انہوں نے ان معلومات کا زیادہ سے زیادہ حصہ جمع کیا جو ان کے ماضی و حال کے انسانوں سے انہیں حاصل ہو سکتا تھا۔ دوسری طرف خود اپنے مشاہدے سے انہوں نے معلوماتِ انسانی میں بے پناہ اضافہ کیا۔ تیسری طرف انہوں نے دونوں اقسام کی معلومات کو مرتب کر کے فواد کے استعمال سے نئے نتائج اخذ کیے' پرانی معلومات کی غلطیوں کو دریافت کیا' نقائص کی تکمیل کی' اور جو نئی چیزیں ان کے علم میں آتی رہیں ان سے زیادہ سے زیادہ کام لینے کی کوشش کی۔ چنانچہ یہ علمی بیداری ہی تھی جس نے ابتدائی عہد کے مسلمانوں کو دنیا کا امام بنا دیا تھا لیکن جب اپنے دورِ عروج کے بعد ان کے زوال کا وقت آیا تو اس طرح کہ انہوں نے تھک ہار کر اپنے کیے ہوئے کام کو کافی سمجھ کر مشاہدہ سے مزید معلومات حاصل کرنے اور فواد سے اخذِ نتائج کا کام چھوڑ دیا' اور ان کا تمام سرمایۂ علمی صرف سمع سے حاصل شدہ معلومات تک محدود رہ گیا۔ اب ان کے نزدیک علم کے معنی صرف یہ رہ گئے کہ جو معلومات پہلے حاصل کی گئی تھیں اور جو نتائج اخذ کیے گئے تھے وہ کیا تھے۔ وہ اس غلط فہمی میں پڑ گئے کہ جو علم پہلے حاصل کیا جا چکا ہے وہ کافی ہے اور اس میں کسی اضافے کی ضرورت نہیں' پہلے جو نتائج اخذ کیے جا چکے ہیں وہ صحیح ہیں اور ان میں کسی اصلاح و ترقی کی گنجائش نہیں' پہلے جتنی تعمیر ہو چکی ہے وہ مکمل ہے نہ اس میں ترمیم کی جا سکتی ہے اور نہ اس سے آگے تعمیر ممکن ہے۔ اجتہاد کے دروازے بند کیے جانے کا یہی مفہوم ہے۔ یہی وہ مرحلہ ہے جس پر پہنچ کر مسلم امت دنیا کی امامت سے ہٹا دی جاتی ہے اور امامت و قیادت اس قوم کا حصہ بنتی ہے جو مزید اکتسابِ علم' مزید اخذِ نتائج اور مزید تعمیرِ حیات کا عزم لے کر آگے بڑھی۔ یہاں قرآن کے پیش کردہ ایک قانونِ قدرت کا استنباط کیا جا سکتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ علم (یعنی سمع بصر و فواد کی قوتوں کا زیادہ سے زیادہ استعمال) قوموں کے عروج و زوال میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ انسان اپنی صلاحیتِ اخذِ علم کی بنیاد پر دوسری مخلوقات سے افضل ہے' اور خود انسانوں کے درمیان وہ گروہ یا قوم جو علم کے مذکورہ بالا مفہوم کے اعتبار سے دوسروں سے بڑھ گئی ہو دنیا کی امام بن جاتی ہے۔ قرآنِ مجید کی آیات ملاحظہ کیجیے،

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۗ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ (الزمر ۹)

ان سے پوچھو کہ کیا علم والے اور بغیر علم والے کبھی یکساں ہو سکتے ہیں۔ بے شک نصیحت تو عقل والے ہی قبول کر سکتے ہیں۔

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (المجادلہ ۱۱)

تم میں سے جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور جنہیں علم دیا گیا' اللہ انھیں بلند درجے عطا کرتا ہے

قرآن ہمیں علمیاتی رجائیت (Epistemological Optimisim) کا جو تصوّر دیتا ہے وہ بیکن اور ڈکارٹ کے پیش کردہ رجائیت کے تصوّر سے قطعاً" مختلف ہے۔ ان حضرات کا کہنا یہ تھا کہ انسان کو علم حاصل کرنے کے لیے' مستند سرچشمۂ علم (Authority) کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہر انسان اپنے ذرائع علم آپ رکھتا ہے' اس کے پاس حواس کی طاقت ہے' جن کو وہ آثار کائنات کے محتاط مشاہدے کے لیے استعمال کر سکتا ہے اور ہر ایسے خیال و نظریہ کو قبول کرنے سے انکار کر سکتا ہے جس کا ادراک اس کی عقل اور وجدان واضح طور پر نہ کر سکے (پاپر محولہ بالا) اس کے بر خلاف' قرآن کی رُو سے' انسان کے ذرائع علم حصولِ علم میں انسان کے مددگار تو ضرور ہیں مگر ان میں سے کوئی بھی (Ultimate Source of Knowledge) کی حیثیت نہیں رکھتا۔ ان میں سے ہر ذریعہ ایک طرف تو اپنی پہنچ کے اعتبار سے محدود ہے' اور دوسری طرف خود اس انسان کی ذاتی خواہشات اور تعصبات سے متاثر ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے جو اسے استعمال کر رہا ہو۔ لہٰذا ان میں ایک طرف تو اس غیب کا تصوّر ملتا ہے جسے خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا' اور دوسری طرف التباسِ حقیقت اور ابلیس کا تصوّر ملتا ہے۔ نظر آسکنے والی حقیقت بھی خواہشات اور تعصبات کے پردے کے پیچھے چھپ جاتی ہے' یا وہ صحیح زاویۂ نظر گم ہو جاتا ہے جس کے بغیر انسان کے ذرائع صحیح کام نہیں کر پاتے۔ لہٰذا ایک طرف تو قرآن امورِ غیب سے بعض ایسے حقائق کو خود منکشف کر دیتا ہے جو انسانی زندگی سے متعلق ہیں' اور جن کا علم عالمِ شہود میں انسان کی نظر و فکر کو صحیح زاویہ دینے کے لیے ضروری ہے۔ قرآن ان امور پر صرف اس استدلال کے ساتھ کہ ان میں کوئی چیز بھی خلافِ عقل نہیں ہے' (اگرچہ ماوراء العقل ہو سکتی ہے)' انسان کو ایمان کی دعوت دیتا ہے۔ دوسری طرف وہ عالمِ شہود میں بھی انسان کو جامع قسم کی اصولی ہدایات دیتا ہے' جن کی حیثیت نور یا روشنی کی ہے اور جن سے انسان کا صحیح زاویۂ نظر متعین ہو جاتا ہے چنانچہ اس سلسلہ میں خود قرآنِ مجید کی شہادت ہے کہ

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (الزمر ۲۲)

"اب کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے' وہ فی الحقیقت اپنے رب کی طرف سے ایک روشنی پر چل رہا ہے' پس تباہی ہے ان لوگوں کے لیے جن کے دل اللہ کی نصیحت کے لیے سخت ہو گئے ہیں"۔

اسی طرح قرآن مجید کی ایک اور آیت میں کہا گیا ہے

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ (ابراہیم ۱-۲)

"یہ کتاب ہم نے تمہاری طرف نازل کی ہے تاکہ تم لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاؤ' ان کے رب کی توفیق سے' اس خدا کے راستہ پر جو زبردست ہے' اپنی ذات میں آپ محمود ہے اور زمین و آسمان کی ساری موجودات کا مالک ہے"۔

آخر میں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ ایمان کے بعد اس نور کی روشنی میں جو قرآن اور خدا کے رسول کی تعلیمات سے حاصل ہوتی ہے' جب انسان عملی دنیا میں حصولِ علم کے ذرائع سمع' بصر اور فواد تینوں کا بھرپور استعمال کرتا ہے تو غلطیوں کا امکان کم سے کم ہو جاتا ہے' لیکن باقی ضرور رہتا ہے۔ غلطی کا یہ امکان بڑے کام کی چیز ہے۔ یہ غلطی کا امکان ہی ہے جو اسلاف کی فراہم کردہ معلومات پر نقد و جرح کے لیے انسان کو مہمیز کرتا ہے' اور اسے اس بات پر ابھارتا ہے کہ وہ بصر اور فواد کا بھرپور استعمال کرکے پرانی معلومات کا جائزہ لے' غلطیوں کی نشاندہی کرے' نقائص کی تکمیل کرے اور نئے نتائج پیش کرے۔ علم اور سائنس کی ترقی کا سارا راز اسی غلطی کے امکان میں مضمر ہے۔ جرح و نقد' مشاہدہ و تجربہ اور اخذِ نتائج کے اس پورے عمل کو اسلامی فلسفہ کی اصطلاح میں اجتہاد کا نام دیا جا سکتا ہے۔ اجتہاد یہی تو ہے کہ ایک شخص پورے شعور اور ایمان کے ساتھ نور' یعنی قرآن و سنت کی روشنی میں' اپنی سمع و بصر اور فواد کی قوتوں کا بھرپور استعمال کرکے کسی معاملہ میں کسی نتیجہ تک پہنچے۔ انسان کا اجتہاد صحیح بھی ہو سکتا ہے اور غلط بھی' لیکن کتنی پیاری بات کہی تھی خدا کے رسولؐ نے' ان پر لاکھوں درود و سلام ہوں' کہ "کل مجتهد مصيب او مخطي اذا اصاب فله اجر مرتين واذا اخطا فله اجر واحد" (ہر مجتہد اپنے فیصلے میں صحیح بھی ہو سکتا ہے اور غلط بھی' اگر صحیح ہو تو دگنا اجر اور اگر غلط ہو تو اس کے لیے ایک اجر ہے)۔